محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

سرکاری اسکیمات سے استفادہ

شریعتِ اسلامی کی روشنی میں



ناشر

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

برقی اشاعت

سرکاری اسکیمات سے استفادہ

شریعتِ اسلامی کی روشنی میں

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

ناشر

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

نام کتاب	:	سرکاری اسکیمات سے استفادہ
نام مؤلف	:	محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

(E-mail: jamiljh04@gmail.com/Mob: 9742767667/8292017888)

سرورق وتزئین	:	مولانا ابراہیم جامعی ڈونگرکر
سن اشاعت	:	۱۴۴۰ھ / ۲۰۱۹ء
تعداد	:	
ناشر	:	فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد
قیمت	:	

فہرست

ابتدائیہ

حامداً ومصلیاً ومسلماً أمابعد!

انسان کی زندگی جب تک کسی قانون سے بندھا ہوا نہ ہو، حیوانیت کی ہوتی ہے، قانون ہی کے ذریعہ انسان فرشتہ صفت بنتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ دین ''اسلام'' کے لئے قانون مرتب کر کے خود نازل فرمایا اور جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات ہی میں ان قوانین کو عملی طور پر برت کر دکھا دیا، جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین کی پاسداری کی، وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کے محبوب بنے؛ بل کہ روئے زمین پر آباد لوگوں کے دلوں پر بھی راج کیا اور حقیقی فاتح بنے؛ کیوں کہ:

جو دلوں کو فتح کر لے، وہی فاتح زمانہ

انسان جس ملک میں رہتا بستا ہے، اس ملک کا بھی اپنا قانون ہوتا ہے اور جمہوری ممالک میں خصوصاً ملک کے لئے ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں، جن پر عمل درآمدگی وہاں پر آباد تمام مذاہب وادیان کے ماننے والوں کی طرف سے بہ آسانی ہو سکے، انہیں قوانین میں سے ایک قانون لوگوں کی ''امداد'' کا بھی ہے، جس کی بنیاد پر ملک کے خصوصاً وہ باشندے، جو محتاج ہیں، خوش حالی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں، نیز ایسے لوگوں کے لئے بھی امدادی قانون ہوتا ہے، جو محتاج تو اس طرح نہیں ہوتے؛ لیکن مزید ترقی کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارے ملک ہندوستان میں چوں کہ اس امداد کو بینک سے جوڑ دیا گیا، جس کے نظام

کا اکثر حصہ سودی کاروبار پر مبنی ہے، نیز حکومت بھی بعض دفعہ سود کی شرط کے ساتھ امداد کرتی ہے؛ اس لئے ملک کے مؤقر علماء کرام کی ٹیم نے- جو اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے نام سے معروف ہے-اس سلسلہ میں کچھ اہم سوالات مرتب کر کے اہل علم کے پاس بھیجا، یہ انہیں سوالات کے جواب پر مشتمل طویل مقالہ ہے، جسے عناوین کے اضافہ اور فقہ اکیڈمی کے فیصلہ کے ساتھ برقی اشاعت کے لئے کتابی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکے، قارئین سے گزارش ہے کہ اس میں اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کے نفع کو عام اور تام بنائے اور مصنف کے لئے اسے ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے، آمین یارب العالمین!

۱۷/جمادی الآخرۃ ۱۴۴۰ھ　　　　محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

۲۵/مارچ ۲۰۱۹ء　　　　ہدیٰ چلڈرنس اکیڈمی، بلیاپور، دھنباد (جھارکھنڈ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

’’قرض‘‘ انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے، جس کے بغیر امیر و غریب کسی کو چارا نہیں؛ کیوں کہ اس کی ضروریاتِ زندگی اس کے کسب و یافت کے مقابلہ میں عموماً بڑھی ہوئی رہتی ہے، جس کی تکمیل کے لئے بعض دفعہ اسے اضافی کام (Over time work) کرنا، جب کہ بسا اوقات قرض لیناہی پڑتا ہے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو ضروریاتِ زندگی کی انجام دہی دشوار ہو جائے۔

پھر قرض کبھی وہ کسی شخص سے لیتا ہے اور کبھی حکومتی ادارہ (بینک) سے، شخص سے لینے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی، تاہم بینک سے لینے میں کبھی کبھار کافی دشواریوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، پھر قرض کی واپسی بعض دفعہ اضافہ کے ساتھ کرنی پڑتی ہے اور بعض دفعہ بغیر کسی اضافہ کے، پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض کی معافی ہو جاتی ہے، فرد کی طرف سے قرض کی معافی عموماً کم ہی پیش آتی ہے، جب کہ حکومتی ادارہ (بینک) کی طرف سے کبھی یا تو مکمل قرض ہی معاف کر دیا جاتا ہے اور کبھی نصف کی معافی ہوتی ہے، پھر بسا اوقات حکومتی ادارہ (بینک) عام شخص اور بے روزگاروں و معذوروں کو روزگار فراہم کرنے کی غرض سے بعض اسکیمیں بھی نکالتا ہے، جن سے استفادہ کبھی درست ہوتا ہے اور کبھی نادرست، قرض کے یہ مسائل اس بات کے متقاضی ہیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے ان پر غور و فکر کر کے جائز اور ناجائز صورتوں کو واضح کیا جائے؛ تا کہ عوام کو ان سے استفادہ کرنے میں آسانیاں حاصل ہوں۔

اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے حکومتی ادارہ (بینک) سے

قرض لینے اور اس کی اسکیمات سے فائدہ اٹھانے کے سلسلہ میں کچھ سوالات مرتب کئے ہیں، جن کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:

سوال (ا): وہ قرضے، جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب کے لئے دو باتوں کا جاننا ضروری ہے:

ا- بینک کی تعریف اور اس کی حیثیت کیا ہے؟

۲- بینک میں جمع کی جانے والی رقوم کی حیثیت کیا ہے؟

بینک کی تعریف اور اس کی حیثیت

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ ''بینک ایک ایسے ادارے کا نام ہے، جو افراد و تنظیم کی امانتیں ایک متعین یا غیر متعین مدت کے لئے قبول کرتا ہے، پھر دوسروں (ضرورت مندوں) کو قرض فراہم کرنے میں ان کا استعمال کرتا ہے''، رضوان منیر ماردینی نے ڈاکٹر محمد اسماعیل ہاشم کی کتاب ''**مذکرات فی النقود والبنوک**'' سے اس کی تعریف یوں نقل کی ہے:

أنه المنشأة التی تقبل الودائع من الأفرادو الهیئات تحت الطلب أو لأجل، ثم تستخدم هذه الودائع فی منح القروض والسلفیات(۱).

بینک کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ بینک بھی بنیادی طور پر ''جوائنٹ اسٹاک کمپنی'' ہے، جس کی حیثیت ایک ''قانونی شخص'' کی ہوتی ہے۔

(۱) البنك الإسلامی ومجالات عمله لرضوان منیر الماردینی، ص:۳

بینک میں جمع کی جانے والی رقوم کی حیثیت

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ بینک میں جمع کی جانے والی رقوم کی حیثیت ''امانت'' کی ہے، جو فقہی طور پر قرض ہوتا ہے(۲)، اور قرض کا حکم یہ ہے کہ مستقرض (قرض دار) کی ملکیت اس میں ثابت ہوجاتی ہے، لہٰذا وہ اس میں تصرف کا مالک ہوتا ہے، ملک العلماء علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

وأما حكم القرض: فهو ثبوت الملك للمستقرض فى المقرَض للحال(۳).

جہاں تک قرض کے حکم کا تعلق ہے تو وہ مستقرض کے لئے قرض میں فی الحال ملکیت کا ثبوت ہے۔

بینک کی طرف سے قرضوں کی معافی

مذکورہ دونوں باتوں کی وضاحت سے ہمیں معلوم ہوا کہ بینک ایک ایسا ''قانونی شخص'' ہے، جو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے، لہٰذا وہ دوسرے کو قرض دے سکتا ہے، اور جب وہ قرض دے سکتا ہے تو اپنے دئے ہوئے قرض کا ایک حصہ معاف بھی کرسکتا ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

والدائن إذاقبض دينه، ثم أبرأ المدين عنه صح(٤).

قرض خواہ قرض پر قبضہ کے بعد معاف کردے تو یہ درست ہے۔

---

(۲) نظرية القرض فى الفقه الإسلامى لأحمدأسعد، ص:۳۳۲، اسلام اور جدید معیشت وتجارت از: مفتی تقی عثمانی صاحب، ص:۱۱۵

(۳) بدائع الصنائع: ۳۹٦/۷

(٤) ردالمحتار، مطلب فى التمليك: ۵۰۲/۸

جب کل قرض کو معاف کرنے کی اجازت ہے تو قرض کا ایک حصہ معاف کرنے کی بدرجۂ اولیٰ اجازت ہوگی؛ چنانچہ علی حیدرؒ فرماتے ہیں:

الـوجه الرابع: أن يقول الدائن : أعطني نصف ديني على أن تـكون بريئاً من الصف الآخر ولما كان لم يذكر وقتاً لأداء النصف، أصبح الإبراء في النصف صحيحا،وكان هذا الإبراء ابراء مطلقاً(٥).

چوتھی صورت یہ ہے کہ قرض خواہ کہے: مجھے میرے قرض کا نصف ،نصف آخر کی معافی کے ساتھ دے دو،اورنصف آخر کی ادائے گی کا وقت غیر مذکور ہو تو نصف میں معافی صحیح ہے اور یہ معافی مطلق ہوگی۔

لہٰذا بینک کے وہ قرضے، جن کا ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے،ایسے قرضوں کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛البتہ دو باتیں ملحوظ رہنی چاہئیں:

۱- قرض لینا ایک ضرورت ہے، جو پہاڑ کے بوجھ سے بڑھ کر ہوتا ہے؛اس لئے اس ''ضرورت'' سے استفادہ بقدر ضرورت ہی ہونا چاہئے ؛ کیوں کہ اصول ہے:**ماأبيح للضرورة يقدر بقدرها**(٦)۔

۲- بینک کا اکثر کاروبار سود پر مشتمل ہوتا ہے،لہٰذا ''شدید قسم کی ضرورت'' پر ہی بینک سے قرض لینے کی کوشش کی جائے۔

(٥) دررالحكام، المادة: ١٥٦٢، إذاأبرأ أحد آخر من حق يسقط حقه......:٤/٧٠
(٦) الأشباه والنظائر:١/٩٥

ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی واپسی پر معافی

سوال (۲): معافی والے قرضوں میں بعض صورتوں میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے، جب کہ لی ہوئی رقم سے زائد واپس نہ کرنا پڑے؟

جواب: پہلے سوال کے جواب (جس میں یہ بات بتلائی جا چکی ہے بینک قرض دینے کا اختیار رکھتا ہے، لہٰذا وہ اپنے دئے ہوئے قرض کو معاف بھی کرسکتا ہے) کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے قرضوں کے لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ چنانچہ ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

ومن له على آخر ألف درهم ، فقال: ادفع إلي غدا منها خمس مأة على أنك برئ من الفضل، ففعل، فهو برئ، فإن لم يدفع إليه خمس مأة غدا، عادت الألف عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله(۷).

جس شخص کا دوسرے پر ہزار روپے ہوں، وہ کہے: مجھے پانچ سو روپے کی معافی کے ساتھ کل صبح ہزار میں سے پانچ سو روپے دیدو، (اگر) وہ دیدے تو وہ (بقیہ کی ادائے گی) سے بری ہے؛ لیکن اگر صبح پانچ سو ادا نہ کرے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ

(۷) الفتاوى الهندية، الباب الثاني في الصلح في الدين……: ۲۳۴/۴، العناية مع شرح فتح القدير، باب الصلح في الدين: ۴۴۷/۸

کے نزدیک ہزار کی ادائے گی لوٹ آئے گی۔

معلوم ہوا کہ وہ قرضہ بھی جائز ہے، جس میں ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔

اگر قرض کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنا پڑے؟

سوال (۳): اگر مقررہ مدت کے بعد قرض ادا کرنے پر کل کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: زائد رقم ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں:

۱- زائد رقم کی واپسی کے ساتھ قرض کی ادائے گی غیر مشروط ہو۔

۲- زائد رقم کی واپسی کے ساتھ قرض کی ادائے گی مشروط ہو۔

پہلی صورت میں زائد رقم کی واپسی کے ساتھ قرض کی ادائے گی جائز ہی نہیں؛ بل کہ مستحسن بھی ہے، خود آں حضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس کی ترغیب دی ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

كان لرجل على النبي ﷺ سن من الإبل، فجاء ه يتقاضاه، فقال ﷺ: أعطوه، فطلبوا سنه، فلم يجدوا له إلا سناً فوقها، فقال: أعطوه ، فقال: أوفيتني، وفى الله بك، قال النبي ﷺ: إن خياركم أحسنكم قضاء(۸).

رسول اللہ ﷺ کے ذمہ ایک شخص کا خاص عمر کا اونٹ تھا، وہ آپ

(۸) بخاری، باب حسن القضاء، حدیث نمبر:۲۳۹۳

کے پاس تقاضہ کرنے آیا تو آپ ﷺ نے (صحابہ کرام کو مخاطب کر کے) فرمایا: اسے دیدو، لوگوں نے اس عمر کا اونٹ تلاش کیا تو اس سے زیادہ عمر کا اونٹ ملا، آپ ﷺ نے فرمایا: وہی اس کو دیدو، اس نے کہا: آپ نے مجھے پورا پورا دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو پورا اجر دے، آں حضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں بہتر وہ شخص ہے، جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ''تم میں بہتر وہ شخص ہے، جو قرض اچھی طرح ادا کرے'' کہہ کر صحابہ کو یہ ترغیب دی ہے کہ قرض کی واپسی میں کچھ زائد دیا جائے، آپ ﷺ نے خود بھی دیا ہے، حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:

أتيت النبي ﷺ، وهو في المسجد، قال مسعر: أراه قال: ضحىً، فقال: صل ركعتين، وكان لي عليه دين، فقضاني وزادني(٩).

میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا، جب آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، مسعر کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ یہ چاشت کا وقت تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: دو رکعت نماز پڑھو، اور میرا آپ ﷺ پر قرض تھا، آپ نے وہ ادا کیا اور بڑھا کر دیا۔

اس حدیث میں صاف طور پر مذکور ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت قرض سے زائد رقم کی ادائے گی بہتر ہے، علامہ صنعانیؒ لکھتے ہیں:

(٩) بخاری، باب حسن القضاء، حدیث نمبر:٢٣٩٤

والحديث دليل على جوازه، وأنه يستحب لمن عليه دين من قرض أوغيره أن يرد أجودمن الذى عليه، وأن ذلك من مكارم الأخلاق المحمودة عرفاً وشرعاً، ولايدخل في القرض الذى يجرنفعاً؛ لأنه لم يكن مشروطاً من المقرض، وإنماذلك تبرع من المستقرض(١٠).

حدیث اس کے جائز ہونے پر دلیل ہے، اوراس پر دلیل ہے کہ قرض دار وغیرہ کے لئے مستحب ہے کہ ذمہ میں واجب سے بہتر لوٹائے، اور یہ عرفا وشرعا اخلاق محمودہ کے مکارم میں سے ہے اور یہ اس قرض کے تحت داخل نہیں، جو نفع کو کھینچتا ہے؛ اس لئے کہ وہ قرض خواہ کی طرف سے مشروط نہیں؛ بل کہ قرض دار کی طرف سے تبرع ہے۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے، یعنی قرض کی واپسی کے ساتھ زائد رقم کی شرط لگائی جائے تو اس سلسلہ میں دو امر قابل تنقیح ہیں:

١- قرض خواہ کا زیادتی کے ساتھ واپسی کی شرط لگانا درست ہے یا نہیں؟

٢- ایسے قرض سے استفادہ درست ہے یا نہیں؟

امر اول کسی کے نزدیک درست نہیں، اس سلسلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آثار، نیز بعض ضعیف روایتیں دلیل ہیں؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایسی شرط لگانے سے منع فرمایا ہے، انھوں نے فرمایا:

(١٠) سبل السلام، ابواب السلم والقرض والرهن:٣/١٢٦

من أسلف سلَفاً فلایشترط إلاقضاء ه(۱۱).

جو قرض کا معاملہ کرے، وہ شرط نہ لگائے، مگر اسی (قرض) کی ادائے گی کا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول اور زیادہ واضح ہے، وہ فرماتے ہیں:

مـن أسـلف سـلَفـاً، فـلایشترط أفضل منه، وإن کانت قبضة من علَف، فهو ربا(۱۲).

جس نے قرض کا معاملہ کیا، وہ اس سے بہتر کی شر نہ لگائے، اگرچہ کہ ایک مٹھی چارہ ہو، تو سود ہے۔

اس سلسلہ میں سندی اعتبار سے ایک ضعیف روایت بھی ہے، حضرت علیؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ فرمایا:

کل قرض جر منفعة فهو رباً(۱۳).

ہر وہ قرض، جو منفعت لائے، وہ سود ہے۔

علامہ عینیؒ نے اس پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

وقـد أجـمع المسلمون بالنقل عن النبی ﷺ أن اشتراط الزیادة فی السلف حرام(۱٤).

آپ ﷺ سے منقول ہونے کی بنا پر قرض میں زیادتی کی شرط

(۱۱) مؤطامالك، باب مالایجوز من سلف، حدیث نمبر: ۲۵۱۲

(۱۲) مؤطامالك، باب مالایجوز من سلف، حدیث نمبر: ۲۵۱۳

(۱۳) بلوغ المرام من أدلة الأحکام، ابواب السلم، والقرض والرهن، حدیث نمبر: ۸٦۱

(۱٤) عمدة القاری، باب بیع العبیدوالحیوان بالحیوان: ٦٤/۱۲

باجماع مسلمان حرام ہے۔

علامہ ابن بطالؒ لکھتے ہیں:

ولا خلاف بین العلماء أن اشتراط الزیادة فی ذلك رباً لا یحل(١٥).

علماء کے درمیان اختلاف نہیں ہے کہ اس (قرض) میں زیادتی کی شرط سود ہے، جو جائز نہیں۔

لہٰذا زیادتی کے ساتھ واپسی کی شرط پر قرض دینا درست نہیں کہ یہ سود ہے، جو حرام لذاتہ ہے۔

جہاں تک دوسرے امر کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ قرض ایک ضرورت ہے، جو ایسے وقت میں لینا جائز ہے، جس میں انسان محتاج ہو اور قرض نہ لینے کی صورت میں ضرر کا اندیشہ ہو؛ کیوں کہ شریعت انسانی ضرر کو دور کرنے کا حکم دیتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لاضرر ولاضرار(١٦).

نہ نقصان اٹھانا ہے نہ نقصان پہنچانا۔

اسی وجہ سے ''**الضرر یزال**'' اور ''**الضرورات تبیح المحظورات**'' کے اصول بنائے گئے ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ضرورت کیا ہے، جس میں ہمارے لئے سودی قرض لینے کی گنجائش ہے؟ اس سلسلہ میں احکام کے ان مدارج کو سامنے رکھنا ضروری ہے، جو فقہاء کرام نے بتلائے ہیں، علامہ حمویؒ نے فتح القدیر کے حوالہ سے احکام کے پانچ مدارج لکھے ہیں، لکھتے ہیں:

فی فتح القدیر: ھنا خمسة مراتب: ضرورة، وحاجة، ومنفعة، وزینة، وفضول، فالضرورة بلوغه حداً إن لم

(١٥) شرح صحیح البخاری، باب استقراض الإبل: ٥١٧/٦

(١٦) مؤطا امام مالك، باب القضاء فی المرفق، حدیث نمبر: ١٤٢٩

يتناول الممنوع هلك إذاقاربه، وهذا يبيح تناول الحرام، والحاجة كالجائع الذى لولم يجدمايأكله لم يهلك، غيرأنه يكون فى جهد ومشقة، وهذا لايبيح الحرام، ويبيح الفطر فى الصوم، والمنفعة كالذى يشتهى خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم، والزينة كالمشتهى الحلوى والسكر، والفضول التوسع بأكل الحرام والشبهة(١٧).

فتح القدیر میں ہے: یہاں پانچ مراتب ہیں: ضرورت، حاجت، منفعت، زینت اور فضول، ضرورت اس حدتک پہنچ جانے کو کہتے ہیں کہ اگر ممنوع شئ کو استعمال نہ کرے تو ہلاک ہوجائے، یہ (صورت) حرام کے استعمال کو مباح کردیتی ہے، حاجت کی مثال اس بھوکے کی سی ہے کہ اگر اسے کھانے کی چیز نہ ملے تو ہلاک تو نہ ہو؛ البتہ مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے، یہ (صورت) حرام کو مباح نہیں کرتی ہے، تاہم روزہ افطار کرنے کو مباح کرتی ہے، منفعت جیسے کوئی گیہوں کی روٹی، بکری کا گوشت اور مرغن غذا کھانے کی خواہش کرے، زینت جیسے میٹھی اور شیریں کھانوں کی خواہش اور فضول یہ کہ حرام ومشتبہ کھانے میں وسعت (پیدا کرلی جائے)۔

---

(١٧) غمزعیون البصائر: ١/٢٧٧

اس سے معلوم ہوا کہ فضول، زینت اور منفعت کے لئے سودی قرض کی گنجائش نہیں؛ البتہ اضطراری حالت میں سودی قرض لینا درست ہے، اسی طرح حاجت میں بھی سودی قرض سے پرہیز بہتر ہے؛ البتہ حاجت کو کبھی کبھی ضرورت کے درجہ میں تسلیم کرلیا جاتا ہے، ایسی صورت میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی، علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

السادسة: الحاجة تنزل منزلة الضرورة، عامة كانت أو خاصة، ولهذا جوزت الإجارة على خلاف القياس للحاجة...... وفى القنية والبغية: يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح(١٨).

چھٹا قاعدہ یہ ہے کہ حاجت (کبھی کبھار) ضرورت کے درجہ میں اتر آتی ہے، عام ہو یا خاص، یہی وجہ ہے کہ اجارہ کو حاجت کی وجہ سے خلاف قیاس جائز قرار دیا گیا ہے......اور ''قنیہ'' و''بغیہ'' میں ہے کہ محتاج کے لئے نفع (کی شرط) کے ساتھ قرض لینا جائز ہے۔

معلوم ہوا کہ سودی قرض کے علاوہ کوئی اور شکل مسئلہ کے حل کی نہ نکلتی ہو تو سودی قرض لینا درست ہے۔

اگر مشروط زائد رقم سروس چارج کی طرح معمولی ہو؟

سوال (۴): غیر معافی قرضے یا معافی والے قرضوں میں اصل سے زائد رقم کا مطالبہ ہو؛ لیکن اس کی شرح سود بہت کم ہو، جس کو سروس چارج کہا جاتا ہو یا اپنی مقدار کے اعتبار سے وہ سروس

(١٨) الأشباه والنظائر: ١/ ١٠٠

چارج کہلا سکتا ہوتو ایسے قرضے اوران پرادا کی جانے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ یہ سود کے دائرہ میں آئے گا یا انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے اس میں وسعت وگنجائش ہوگی؟

جواب: سروس چارج کو ہم دوصورتوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

۱- وہ سروس چارج، جو پیسے رکھنے والوں سے وصول کیا جائے۔

۲- وہ سروس چارج، جواپنے قرض داروں سے وصول کیا جائے۔

پہلی صورت کے جواز میں کوئی شک نہیں؛ کیوں کہ بینک ایک ایسی کمپنی ہے، جس کے پاس لوگ روپے پیسے قرض کی شکل میں ودیعت رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان روپیوں کی حفاظت کے لئے افراد کی ضرورت پڑتی ہے، پھراسی کے ساتھ ساتھ روپیوں کے حساب وکتاب کے لئے رجسٹر بھی تیار کرنا ہوتا ہے اوران میں اخراجات ایک لازمی شئ ہے، کمپنی اپنی طرف سے روپیوں کی حفاظت پر مامورافراداورحساب وکتاب کے لئے تیاررجسٹروں کے لئے خرچہ برداشت نہیں کرسکتی؛ اس لئے بینک ہرکھاتہ دار سے کچھ رقم سروس چارج کے نام سے لیتی ہے، جودراصل روپیوں کی حفاظت کے لئے اور''**الأجرة إنما تکون في مقابلة العمل** (۱۹)''کے طور پر ہوتی ہے؛ چنانچہ **الجوهرة النيرة** میں ہے:

......بخلاف الوديعة إذاشرط المودِع للمودَع أجراً على حفظها، فله الأجر(۲۰).

ودیعت کے برخلاف، جب صاحبِ ودیعت ودیعت کی حفاظت

(۱۹) ردالمحتار، مطلب دعوی الأب أن الجهاز عارية: ۱۵٦/۳

(۲۰) الجوهرة النيرة، كتاب الرهن: ٤٠١/۲

کے لئے ودیعت رکھنے والے کے لئے اجرت کی شرط لگائے
تو اس کے لئے اجرت ہوگی۔

ڈاکٹر احمد اسعد رقم طراز ہیں:

والحکم الشرعی لهذه الصورة يتلخص فی أن المصرف يتقاضى أجراً مقابل الخدمات التی يقدمهاللمودع، وهذاجائز شرعاً، ولامجال للشبهة فی اختلاط الأجربالربا، أو المنفعة المحرمة(٢١).

اس صورت کے حکم شرعی کا خلاصہ یہ ہے کہ بینک اپنی ان خدمات کے لئے اجرت کا تقاضی کرتا ہے، جو وہ مودع کے لئے انجام دیتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے اور اس میں سود اور منفعت محرمہ کے ساتھ اختلاط کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- قرض کسی شخص سے لیا جائے اور وہ سروس چارج کے نام سے کچھ رقم لے۔

۲- قرض کسی ادارہ سے لیا جائے اور وہ ادارہ سروس چارج کے نام سے کچھ رقم لے۔

پہلی صورت میں سروس چارج کے نام سے قرض کے علاوہ کچھ رقم لینا عام حالت میں درست نہیں؛ کیوں کہ یہاں کسی عمل کے مقابلہ میں یہ "رقم" نہیں ہے، لہٰذا یہ "**الأجرة إنماتكون فی مقابلة العمل**" کے دائرہ میں نہیں ہوگا؛ البتہ خاص حالت میں مثلاً: اس کے پیسے دوسرے شہر میں ہو اور قرض لینے والے کو سخت ضرورت ہو، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں پیسے لانے کے لئے

(٢١) نظرية القرض فی الفقه الإسلامی، ص: ٣٣٤، بحواله: تطويرالأعمال المصرفية، ص: ٣٦٨، مشكلة الاستثمار فی البنوك الإسلامية وكيف عالجها الإسلام، ص:٥٥٥

دوسرے شہر جانے کا خرچ لینا درست ہوگا؛ کیوں کہ یہ ''**الأجرة إنماتكون فى مقابلة العمل**'' کے تحت داخل ہے۔

دوسری صورت میں سروس چارج کے نام سے کچھ رقم لینا درست ہے کہ یہ ''**أجرة العمل**'' ہے؛ البتہ اس کے لئے اس بات کو لازم قرار دیا جائے کہ یہ زائد رقم قرض کا معاملہ کرتے وقت ہی لیا جائے، قرض کی واپسی کے وقت نہ لیا جائے، قرض کی واپسی کے وقت لینے میں سود کے شبہ کا امکان ہے، جس سے بچنا بھی ضروری ہے؛ کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

......فمن اتقى المشتبهات استبرأعرضه و دينه ، و من وقع فى الشبهات وقع فى الحرام(۲۲).

جوشبہات سے بچا، اس نے اپنے دین وآبرو کو (طعن وتشنیع سے) بچالیا اور جوشبہات میں پڑ گیا، وہ حرام میں جا پڑا۔

یہ تو بات اس وقت کی ہے، جب سروس چارج کے نام سے کچھ زائد رقم لی جائے؛ لیکن اگر زائد رقم کا نام سروس چارج نہ ہو، تاہم اس کی مقدار اتنی ہی ہو، جتنی سروس چارج کی ہوتی ہے، تو کیا اسے بھی سروس چارج سمجھا جائے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں دو باتیں ہیں:

۱- سروس چارج کی مقدار والی رقم اگر چہ سروس چارج نہ کہلاتا ہو؛ لیکن عرف میں اسے سروس چارج ہی سمجھا جاتا ہو تو اسے سروس چارج ہی سمجھا جائے (جس کے احکام گزر چکے ہیں)؛ کیوں کہ فقہی اصول ہے: ''**الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعى** (۲۳)'' (عرف سے ثابت ہونے والی چیز دلیل شرعی سے ثابت شدہ حکم کی طرح ہے)، ایسی صورت میں اسے

(۲۲) ابوداود، باب فى اجتناب الشبهات، حدیث نمبر: ۳۳۳۲

(۲۳) مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۱۵۵، المبسوط للسرخسى: ۱۵/۲۷۸

سود نہیں سمجھا جائے گا۔

۲- اگر عرف میں سروس چارج نہ سمجھا جاتا ہو تو اسے سروس چارج نہ سمجھا جائے اگرچہ کے مقدار کے اعتبار سے سروس چارج کے برابر ہو؛ کیوں کہ عرفی اور وضعی دونوں اعتبار سے اسے سروس چارج نہیں سمجھا جاتا اور جب سروس چارج نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس کا حکم بھی ثابت نہ ہوگا؛ کیوں کہ فقہ کا ایک اصول ہے: ''**اختصاص العقد باسم لاختصاصه بحكم يدل عليه معنى ذلك الاسم** (۲٤)'' (حکم کے ساتھ مختص ہونے کے لئے عقد کا کسی نام کے ساتھ مختص ہونا اسی نام پر دلالت کرتا ہے، جس پر وہ نام دلالت کرے)، جیسے کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کے گھر نہیں جائے گا، اس شخص کے قسم کھانے کے بعد وہ فلاں اپنے گھر کو باغ یا مسجد میں تبدیل کردے، پھر قسم کھانے والا اس باغ یا مسجد میں داخل ہو تو وہ شخص حانث نہیں ہوگا؛ کیوں کہ:

عقد اليمين باسم الدار، والبستان والمسجد والحمام غيرالدار، فإذالم يبق ذلك الاسم لايبق اليمين(۲٥).

قسم کا معاملہ گھر کے نام کے ساتھ پیش آیا، جب کہ باغ، مسجد اور حمام نام زد گھر نہیں، پس جب نام باقی نہیں رہا تو قسم بھی باقی نہیں رہی۔

لہٰذا ایسی صورت میں اسے سود سمجھا جائے گا، واللہ اعلم بالصواب!

اگر زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو؟

سوال(۵): اگر سرکار کی طرف سے دئے جانے قرض پر لی

---

(۲٤) المبسوط، باب المهايأة: ۲۰/ ۱۷۰

(۲٥) الجامع الصغير، باب اليمين فى الدخول والخروج والسكنى والركوب: ۱/ ۲٥۹، نیز دیکھئے: المبسوط للسرخسی، باب المهايأة: ۲۰/ ۱٤۷

جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو، جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: سوال نمبر (۴) کے جواب (ص:۱۸) سے یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط اگر معمولی نہ ہو، جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے تو اس زائد رقم کا شمار سود میں ہوگا؛ کیوں کہ شریعت میں ''سود ایسے لین دین میں فریقین میں سے کسی ایک کے لئے اضافہ کو کہتے ہیں، جو عوض سے خالی ہو''، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

(هو) شرعاً (فضل) ولو حكما خال عن عوض بمعيار بمعيار شرعي مشروط لأحدالمتعاقدين(٢٦).

لہٰذا یہ بھی سود ہوگا؛ البتہ اگر یہ قرضے جانوروں کے پالنے، مکان کی تعمیر اور کاشت کاری وباغبانی وغیرہ یا پھر کاروبار کے لئے دئے جارہے ہیں تو ایسی صورت میں مسئلہ کی دو صورتیں ہوں گی:

۱- ان قرضوں میں کسی قسم کی کوئی چھوٹ نہ دی جائے؛ بل کہ پوری رقم کی واپسی کے ساتھ ساتھ زائد رقم بھی لی جائے، ظاہر ہے کہ ایسا معاملہ سودی کہلائے گا، جس کے احکام پیچھے گزر چکے ہیں۔

۲- ان قرضوں میں کچھ چھوٹ بھی دی جائے (جسے عرف میں سب سی ڈی کہا جاتا ہے)، ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ:

(الف) چھوٹ کی رقم زائد رقم سے زیادہ یا اس کے برابر ہے، ایسی صورت میں یہ سود نہیں کہلائے گا، اس سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی تجویز موجود ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ:

(٢٦) الدرالمختار: ٤/٢٤٥

ہندوستان میں بعض سرکاری قرضے ایسے ہیں، جس میں سرکار کی طرف سے چھوٹ (Subsidy) دی جاتی ہے اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی یہ اضافی رقم چھوٹ (Subsidy) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں ہے (۲۷)۔

(ب) چھوٹ کی رقم زائد رقم سے کم ہے، ایسی صورت میں یہ سود ہوگا، جس کے احکام پیچھے گزر چکے ہیں، مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ رقم طراز ہیں:

''......اور اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سب سیڈی) سے زیادہ دینی پڑیں تو پھر یہ معاملہ سودی کہلائے گا اور جائز نہ ہوگا'' (۲۸)۔

مکان یا بیت الخلاء کی تعمیر کے لئے سرکاری امداد

سوال نمبر (٦): ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض ضروریات کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر رقم ملا کرتی ہے، مثلاً: مکان بنانے، بیت الخلاء کی تعمیر وغیرہ، نیز تعلیمی ضروریات کے لئے، تو ایسی رقوم کو حاصل کرنے اور استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ جب کہ ان رقوم میں سے کسی حصہ کی واپسی نہیں ہوتی اور حکومت کی طرف سے اپنے شہریوں کی اعانت ہوتی ہے۔

(۲۷) نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۶۸
(۲۸) فتاوی رحیمیہ: ۳۳۲/۹

جواب: ایسی رقوم کا حصول اور ان کا استعمال دونوں جائز ہیں کہ یہ حکومت کی طرف سے اپنی رعایا کی امداد اور تعاون ہے، جو حکومت کی ذمہ داری ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته، الإمام راع ومسئول عن رعیته......(۲۹).

تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ ہوگی، امام (حاکم) ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نوویؒ لکھتے ہیں:

قال العلماء: الراعی هو الحافظ المؤتمن الملتزم صلاح ماقام علیه وماهو تحت نظره، ففیه أن کل من تحت نظره شئ فهو مطالب بالعدل فیه والقیام بمصالحه فی دینه ودنیاه ومتعلقاته(۳۰).

علماء فرماتے ہیں کہ 'راعی' اس امانت دار نگراں کو کہتے ہیں، جو اپنی ذمہ داری اور اپنے ماتحت کی درستگی اور سلامتی کا التزام کرتا ہو؛ چنانچہ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ہر شخص اپنے ماتحت کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرے اور اس کے دینی و دنیوی مصلحتوں کو انجام دے۔

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

---

(۲۹) بخاری، باب الجمعة فی القری والمدن، حدیث نمبر:۸۹۳
(۳۰) شرح النووی علی مسلم، باب فضیلة الأمیرالعادل وعقوبة الجائر: ۱۲ / ۲۱۳

قال بعض اهل العلم: يجب على الإمام أن يقضى من بيت المال دين الفقراء ...... كماأن على الإمام أن يسد رمقه، ويراعى مصلحته الدنيوية(٣١).

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ امام (حاکم) پرلازم ہے کہ وہ فقراء کا قرض بیت المال سے ادا کریں......جیسا کہ ان پران کی دنیاوی مصالح کی رعایت اور بقدر کفاف روزی مہیا کرنا ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ اپنی رعایا کی اعانت حکومت کی ذمہ داری ہےاور یہ اسی قبیل سے ہے؛اس لئے ایسی رقوم کا حصول اوران کا استعمال دونوں جائز ہیں۔

سرکاری امداد کے حصول کے لئے درمیانی شخص کواجرت دینا

سوال نمبر(۷): گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم-جس قسم کی بھی ہوں-ان کے حصول کے لئے کافی جد وجہد کرنی ہوتی ہےاور خرچ بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ اس میں واسطہ بنتے ہیں، واسطہ بننے والوں کے لئے ان کومحنتانہ دینے اور لینے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جولوگ واسطہ بنتے ہیں، انھیں تجارتی اصطلاح میں ’’دلال‘‘ کہتے ہیں، دلالی کا پیشہ مباح ہے؛ اس لئے ان کومحنتانہ دینااور خود ان کا اس کام کے لئے پیسے لینا دونوں جائز اور درست ہیں؛ البتہ اس کے لئے ایک شرط ہے، وہ یہ کہ اجرت متعین ہونی چاہئے، مجہول اجرت طے کرنا درست نہیں؛ چنانچہ فتاوی بزازیہ میں ہے:

(٣١) عمدة القارى، باب إذاأحال دين الميت على رجل جاز، حديث نمبر:٢٢٨٩

وفی الدلال والسمسار أجر المثل، وما تواضعوا أن من کل عشرة کذا حرام علیهم(٣٢).

دلال اور سمسار میں اجرت مثل ہے، اور جو اس طرح طے کریں کہ ہر دس میں اتنا ہے تو یہ ان پر حرام ہے۔

دلالی کی اجرت کے جواز کی وجہ کو بتلاتے ہوئے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وفی الحاوی: سئل محمدبن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به، وإن کان فی الأصل فاسداً لکثرة التعامل، وکثیر من هذا غیر جائز، فجوزوه لحاجة الناس إلیه کدخول الحمام(٣٣).

''حاوی'' میں ہے کہ محمد بن سلمہ سے سمسار (دلال) کی اجرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا: مجھے امید ہے کہ اس میں کثرتِ تعامل کی وجہ سے کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ کہ اصل میں یہ فاسد ہے، اس طرح کے بہت سارے امور ناجائز ہیں؛ لیکن لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے جیسے حمام میں جانا۔

فتاوی محمودیہ میں پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ:

دلالی یہ ہے کہ بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرایا جائے، اس میں بائع ومشتری دونوں کو ثمن (قیمت) معلوم ہوتی ہے اور دلال

(٣٢) الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة: ٤٩/٥
(٣٣) حاشیة ابن عابدین، باب الإجارة، مطلب فی أجرة الدلال: ٨٧/٩

کواس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہے، خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں متعین ہو، خواہ اس طرح کہ فی صد دس روپے یافی روپیہ ایک آنہ اجرت مقرر کی جائے، وہ اجرت درست ہے، جس قدر بھی ہو، فقط، واللہ سبحانہ اُعلم (٣٤).

ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ واسطہ بننے والے لوگوں کو محنتانہ دینا اوران کا روپے لینا دونوں جائز ہیں، واللہ اُعلم بالصواب!

امدادی رقوم ہی میں اجرت طے کرنا

سوال نمبر (٨): بعض مرتبہ واسطہ بننے والے لوگ حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لے لیا کرتے ہیں، یا دینے اور لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: اس سوال کے جواب کے لئے دو باتوں پر بحث ضروری معلوم ہوتی ہے:

ا- کسی چیز کے ملکیت میں آنے سے پہلے اس میں تصرف کا اختیار رہتا ہے یا نہیں؟

٢- جزءِ عمل کو اجرت بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

پہلی بات کے سلسلہ میں یہ جان لیں کہ سرکاری اسکیموں کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں:

ا- وہ اسکیم عام ہو، جسے ہر وہ شخص حاصل کرسکتا ہے، جو اس اسکیم کے سلسلہ میں مقررہ شرائط کے دائرہ میں آتا ہو، مثلاً: بی پی ایل کارڈ ہولڈرس تمام کے تمام فی روپیہ کلو چاول خرید سکتے ہیں اور اس اسکیم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

٢- اس اسکیم سے فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے، جس کے نام کا اندراج اس اسکیم کے

---

(٣٤) فتاوی محمودیہ: ۴/۷۰

لئے ہو چکا ہو، جیسے: گھر اور بیت الخلاء وغیرہ کے لئے حکومتی اعانت کی اسکیم، ظاہر ہے کہ یہ بھی بی پی ایل کارڈ ہولڈرس کے لئے ہی ہے؛ لیکن اس اسکیم سے فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے، جس کے نام کا اندراج ہو چکا ہو، اس کے علاوہ دوسرے بی پی ایل کارڈ ہولڈرس فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

پہلی صورت میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی؛ اس لئے اس کے سلسلہ میں درمیانی شخص کی ضرورت بھی نہیں پڑتی؛ البتہ دوسری صورت میں دشواری پیش آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں درمیانی شخص کی ضرورت پیش آتی ہے؛ اس لئے یہاں اسی سے متعلق بات کی جائے گی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسکیم کے لئے کسی کے ''نام کے اندراج'' کی حیثیت کیا ہے؟ آیا نام کے اندراج کو یہ سمجھا جائے کہ وہ چیز اس کے لئے ہو چکی ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سرکاری اسکیموں میں نام کے اندراج سے عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ چیز اس کی ہو چکی ہے؛ چنانچہ علامہ شامیؒ کی ایک عبارت سے اس کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

(لوغیرمسجل) أی محکوم به، فأطلق التسجیل، وهو الکتابةفی السجل، وأراد ملزومه، وهوالحکم؛ لأنه فی العرف إذاحکم بشئی کتب فی السجل (٣٥).

(اگر غیر مسجل) یعنی غیر محکوم بہ ہو؛ چنانچہ تسجیل کو مطلق رکھا، جس کے معنی رجسٹر میں لکھنے کے آتے ہیں اور مراد لازم ہونے والی شئی یعنی حکم ہے؛ کیوں کہ عرف میں جب کسی چیز کا حکم دیا جاتا ہے تو رجسٹر میں لکھ دیا جاتا ہے۔

---

(٣٥) ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی وقف المریض: ٦/٥٣٣

یہ اور بات ہے کہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں نہیں آیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ہاتھ آئے بغیر کسی چیز میں تصرف جائز ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چیزوں کی قسمیں ہیں، جن میں سے بعض قسموں میں قبل القبض تصرف جائز نہیں، جیسے: بیع، جب کہ بعض میں قبل القبض تصرف جائز ہے، علامہ کشمیریؒ ''بیع قبل القبض'' کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

واعلم أن الاختلاف المذكور إنماهوفي البيع خاصة، لافي سائرالتصرفات؛ لأنهم جوزواالهبة والتصدق قبل القبض كمافي النهاية والبحر عن محمد(٣٦).

جاننا چاہئے کہ مذکورہ اختلاف یہ خصوصیت کے ساتھ بیع میں ہے، تمام تصرفات میں نہیں؛ کیوں کہ فقہائے کرام ہبہ اور صدقہ میں قبل القبض تصرف کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ بحر اور نہایہ میں امام محمدؒ سے منقول ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ سرکاری اسکیموں کا تعلق چوں کہ بیع سے نہیں ہے، نیز نام کے اندراج کی وجہ سے یک گونہ ملکیت حاصل ہوجاتی ہے؛ اس لئے اس میں تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے، یعنی جزءِ عمل کو اجرت بنانا، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور شریعت میں اس طرح کی کئی مثالیں ہمیں ملتی ہیں: چنانچہ اس کی سب سے بڑی مثال ''مضاربت'' ہے، جس میں جزءِ عمل کو ہی اجرت بنایا جاتا ہے،

(٣٦) فيض الباري، باب بيع الطعام قبل أن يقبض وبيع ماليس عندك، حدیث نمبر: ٢١٣٥

عقد مضاربت کے وقت مضارب سے کہا جاتا ہے:

خذ هذاالمال، واعمل به على أن لك من الربح نصفه أو ثلثه(۳۷).

اس مال کو لو اور نفع میں سے نصف یا ثلث پر عمل کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ واسطہ بننے والے لوگوں کا حاصل شدہ رقم کا ایک حصہ لینا، یا دینے اور لینے کا معاملہ کرنا درست ہے، ہذا ما عندی، واللہ اعلم بالصواب!

سرکاری امداد کے حصول کے لئے رشوت دینا

سوال نمبر(۹): اس قسم کی امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے اگر رشوت دینی پڑے تو رشوت دینے کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: رشوت اس شئی کو کہا جاتا ہے، جو ابطالِ حق یا احقاقِ باطل کے لئے دیا جائے، یہ باجماعِ امت حرام ہے، آپ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي(۳۸).

اللہ کے رسول ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

لیکن اس حرمت سے اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، جو اپنے حق کے حصول کے لئے رشوت دے، علامہ بغویؒ لکھتے ہیں:

فـأما إذا أعطى المعطي ليتوصل به إلى حق، أو يدفع عن

(۳۷) البحرالرائق، كتاب المضاربة:۷/۴۴۸

(۳۸) ابوداود، باب فی کراهية الرشوة، حدیث نمبر: ۳۵۸۲، ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۳۶

نفسه ظلماً، فلابأس (۳۹).

جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ معطی اپنے حق تک پہنچنے یا ظلم سے اپنے کو بچانے کے لئے رشوت دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

علامہ ابن ہمامؒ رشوت کی قسمیں تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الرابع: مايدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه و ماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولايجوز أخذالمال ليفعل الواجب (٤٠).

چوتھی قسم: جو مدفوع الیہ سے جان و مال پر خوف کو دور کرنے کے لئے دے، یہ دینے والے کے لئے جائز ہے، لینے والے کے لئے؛ کیوں کہ مسلمان سے ضرر کو دور کرنا واجب ہے، اور واجب کی ادائے گی کے لئے مال لینا جائز نہیں (اس لئے رشوت لینا درست نہیں)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذادفع الرشوة لدفع الجورعن نفسه، أو أحد من أهل بيته، لم يأثم (٤١).

جب رشوت اپنے آپ یا اپنے گھر والوں سے ظلم کو دفع کرنے

---

(۳۹) شرح السنة، باب الرشوة والهدية للقضاة والعمال، حدیث نمبر: ۲٤۹۳

(٤٠) شرح فتح القدير، كتاب أدب القاضي: ۲۳٦/۷، ردالمحتار، كتاب القضاء، مطلب فى الكلام على الرشوة والهدية: ۳٤/۸

(٤١) الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، الباب الحادى عشر فى المتفرقات: ٤۰۳/٤

کے لئے دے تو وہ (دینے والا) گنہ گار نہیں ہوگا۔

ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ دفع ظلم اورحق کی وصولی کے لئے رشوت دینا جائز ہے، اب دیکھنا یہ ہوگا کہ جن امدادی رقوم اور قرضوں کے حصول کے لئے رشوت دی جارہی ہے، وہ حق کے حصول کے لئے ہے یا نہیں؟ اگر حق کے حصول کے لئے ہے تو درست، ورنہ نادرست ہوگا، مثلاً: ایک شخص حکومتی امداد کا مستحق یا ایسا ضرورت مند ہے، جس کے لئے قرض لینا جائز ہے؛ لیکن بغیر کچھ دئے نہ وہ امدادی رقم مل پارہی ہے اور نا ہی قرض ہی حاصل ہورہا ہے، ایسی صورت میں کچھ دے دلا کر امدادی رقم اور قرض حاصل کئے جاسکتے ہیں، واللہ أعلم، وعلمہ أتم وأحکم.

امدادی رقوم کے حصول کے لئے غلط بیانی سے کام لینا

سوال نمبر (۱۰): امدادی رقم یا قرض حاصل کرنے کے لئے کچھ شرائط و معیارات متعین ہیں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: امدادی رقم یا قرض حاصل کرنے کے لئے غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض سے فائدہ اٹھانا نادرست ہے؛ کیوں کہ یہ دھوکہ دینا ہے، جسے اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

من حمل علينا السلاح، فليس منا، و من غشنا، فليس منا (۴۲).

جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے

(۴۲) صحیح مسلم، باب قول النبی ﷺ: من غشنا فلیس منا، حدیث نمبر: ۱۰۱

ہمیں دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

لیس منامن غش(٤٣).

جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔

غلط بیانی کرنا ان اعمال میں سے ہے، جن پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے، ارشادِ تعالیٰ ہے:

لعنت الله على الكاذبين(آل عمران: ٦١)

جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

نیز یہ باطل طریقہ سے مال کھانا ہے، جس سے قرآن سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، ارشاد باری ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿البقرة:١٨٨﴾

اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لئے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصّہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔

دروغ گوئی مؤمن کی شان کے خلاف ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

---

(٤٣) جامع الأصول فى أحاديث الرسول، فيمالايجوزفعله فى الخداع، الفرع الأول: فى مطلق الخداع حدیث نمبر: ٣٢٨

كل خلة يطبع عليها المؤمن؛ إلا الخيانة و الكذب(٤٤).

خیانت اور دروغ گوئی کے علاوہ ہر عادت مؤمن کے اندر ہو سکتی ہے۔

ان تمام آیات واحادیث سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ غلط بیانی سے کام لینا درست نہیں، **الموسوعة الفقهية** کویت میں ہے:

اتفق العلماء على أن الغش حرام، سواء أكان بالقول، أم بالفعل، وسواء أكان بكتمان العيب في المعقود عليه، أو الثمن، أم بالكذب والخديعة، وسواء أكان في المعاملات، أم في غيرها من المشورة والنصيحة(٤٥).

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دھوکہ حرام ہے، خواہ قول کے ذریعہ سے ہو یا فعل کے ذریعہ سے، یا معقود علیہ یا ثمن میں عیب کو چھپا کر ہو، یا جھوٹ یا دھوکہ کے ذریعہ سے ہو اور خواہ یہ معاملات میں ہو یا اس کے علاوہ مشورہ یا نصیحت وغیرہ میں۔

البتہ بعض دفعہ حق کو حاصل کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینا ایک مجبوری بن جاتا ہے، جیسے: کوئی شخص حکومت کے متعینہ معیارات پر مکمل اتر رہا ہو اور وہ محتاج بھی ہو؛ لیکن کرپٹیڈ عناصر کے ہاتھوں میں امدادی رقوم رہنے کی وجہ سے جھوٹ کا سہارا لئے بغیر حاصل کرنا ممکن نہ ہو ایسی صورت غلط بیانی سے کام لینے کی گنجائش ہونی چاہئے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حق کو

---

(٤٤) مسندابی یعلی، حدیث نمبر: ٧١١، مسنداحمد، حدیث نمبر: ٢٢١٧٠، مصنف ابن ابی شيبة، حدیث نمبر: ٣٠٩٧٥

(٤٥) الموسوعة الفقهية، لفظ: غش: ٣١/٢١٩

حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا جائز ہے، نیز مجبوری میں سودی قرض لینا جائز ہے، یہاں بھی غلط بیانی ایک مجبوری ہے؛ اس لئے جائز ہونی چاہیئے، واللہ تعالیٰ اُعلم!

ایسے قرض کا حصول، جس کا سود حکومت ادا کرے؟

سوال(۱۱): بعض اسکیموں میں تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت بینک سے قرض دلاتی ہے اور اس پر جو انٹرسٹ عائد ہوتا ہے، وہ خود مقروض کو ادا کرنا نہیں ہوتا ہے؛ بل کہ اس کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے، یا اس کا بڑا حصہ حکومت ادا کرتی ہے اور بہت تھوڑا سا حصہ خود مقروض کو ادا کرنا ہوتا ہے، کیا ایسی اسکیم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اس سوال کو چار مختلف اجزاء میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱- تعلیم کے لئے حکومت کا کسی کو بینک سے قرض دلا کر بینک انٹرسٹ خود حکومت ادا کرے۔

۲- تعلیم کے لئے حکومت کا کسی کو بینک سے قرض دلا کر بینک انٹرسٹ کا بڑا حصہ حکومت ادا کرے۔

۳- تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کا کسی کو بینک سے قرض دلا کر بینک انٹرسٹ خود حکومت ادا کرے۔

۴- تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کا کسی کو بینک سے قرض دلا کر بینک انٹرسٹ کا بڑا حصہ حکومت ادا کرے۔

پہلی صورت (تعلیم کے لئے حکومت کا کسی کو بینک سے قرض دلا کر بینک انٹرسٹ خود حکومت ادا کرے) کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا بالکل جائز ودرست ہے؛ کیوں کہ حکومت جو زائد رقم ہماری طرف سے ادا کررہی ہے، وہ ہمارے لئے اعانت ہے، جس سے فائدہ اٹھانا ایک جائز عمل ہے، جیسا کہ سوال نمبر (٦) کے جواب (ص:٢٤) میں گزر چکا ہے۔

دوسری صورت (تعلیم کے لئے حکومت کا کسی کو بینک سے قرض دلا کر بینک انٹرسٹ کا بڑا حصہ حکومت ادا کرے) کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ اس میں سود ادا کرنا پڑتا ہے، خواہ جس مقدار میں ہو؛ اس لئے ایسے قرض کے سلسلہ میں دو باتوں میں غور کرنے کی ضرورت ہے:

١- جس تعلیم کے لئے قرض لیا جارہا ہے، وہ فرض کفایہ میں سے ہے اور قرض لینے والے شخص کے علاقہ میں فرض کفایہ کی ادائے گی کرنے والا کوئی نہیں۔

٢- وہ تعلیم، جس کے لئے قرض لیا جارہا ہے، ہو تو فرض کفایہ تو ہے؛ لیکن اس کی ادائے گی کرنے والے موجود ہوں۔

ان دونوں صورتوں کے احکام بیان کرنے سے پہلے ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ فرض کفایہ علوم کونسے ہیں؛ تاکہ حکم لگانے میں سہولت بہم ہوسکے، مشہور اسلامی فلاسفر امام غزالیؒ نے 'فرض کفایہ علوم' کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

أما فرض الكفاية، فهو علم لايستغنى عنه فى قوام أمور الدنيا كالطب، إذهو ضرورى فى حاجة بقاء الأبدان، و كالحساب، فإنه ضرورى فى المعاملات، وقسمة الوصايا، والمواريث وغيرهما، وهذه هى اعلوم

التی لو خلا البلد عمن یقوم بها حرج أهل البلد، و إذا قام
بها واحد کفی و سقط الفرض عن الآخرین(٤٦).

جہاں تک فرض کفایۃ کا تعلق ہے تو وہ علم ہے، جس سے دنیاوی معاملات کی درستگی میں چھٹکارہ نہیں، جیسے: ڈاکٹری کہ جسمانی بقا کی حاجت کے لئے یہ ضروری ہے، اور جیسے: حساب کہ میراث ووصیت کی تقسیم اور معاملات کے لئے ضروری ہے، اور یہ وہ علوم ہیں کہ اگر شہران کے جاننے والے سے خالی ہو تو اہل شہر حرج ومشقت میں پڑ جائیں اور اگر ایک شخص بھی ان امور کو انجام دینے والا ہو تو کافی ہوگا اور دوسروں سے فرض ساقط ہو جائے گا۔

امام غزالیؒ کی وضاحت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں قرض لینے کی گنجائش ہونی چاہئے، بالخصوص موجودہ زمانہ میں اور ہمارے ملک میں، جہاں فرقہ پرستی کا عفریت راج کرتا ہے، گنجائش کی یہ بات اس مسئلہ کی روشنی میں بھی کہی جاسکتی ہے، جس میں ''**یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح**'' کے ذریعہ محتاج کے لئے سودی قرض لینے کی بات کہی گئی ہے، فرض کفایہ کی تعلیم، جب کہ پورا علاقہ خالی ہو، ایک دینی اور قومی ضرورت ہے، جو ذاتی ضرورت سے کہیں بڑھا ہوا ہے؛ اس لئے اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو اس میں گنجائش نہیں ہونی چاہئے کہ یہاں نہ دینی ضرورت ہے اور نا ہی قومی ضرورت، واللہ اعلم بالصواب!

تیسری صورت (تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کا کسی کو بینک سے

---

(٤٦) إحیاء علوم الدین، کتاب العلم، الباب الثانی: بیان العلم الذی هو فرض کفایة:١/٢٨

قرض دلا کر بینک انٹرسٹ خود حکومت ادا کرے) کا جواب بھی اثبات میں ہے کہ یہ حکومت کی طرف سے ہماری اعانت ہے، جو حکومت پر ضروری ہے؛ اس لئے اس صورت میں حکومت کی اعانت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

اب رہی چوتھی صورت (تعلیم کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لئے حکومت کا کسی کو بینک سے قرض دلا کر بینک انٹرسٹ کا بڑا حصہ حکومت ادا کرے) کی بات، تو اس سلسلہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ:

۱- اگر وہ مقصد ایک ''ضرورت'' ہے تو ''**یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح** '' کی روشنی میں اس طرح کے قرض سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

۲- لیکن اگر وہ مقصد ''ضرورت'' نہیں تو اس کے لئے اس طرح کی اسکیم سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، ہذا ما عندی، واللہ أعلم بالصواب!

بینک میں محفوظ حکومتی فنڈ کے سود سے استفادہ

سوال نمبر (۱۲): بعض اسکیمیں ایسی بھی ہیں، جن میں حکومت نے ایک محفوظ فنڈ قائم کر دیا ہے، جس کو بینک میں ڈپازٹ کر دیا گیا ہے اور انٹرسٹ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس سے تعلیمی اور فلاہی اداروں اور افراد و اشخاص کا تعاون کیا جاتا ہے، گویا حکومت یا حکومت کا ادارہ انٹرسٹ وصول کرتا ہے، اس کا مالک ہوتا ہے اور پھر وہ اسکیم سے استفادہ کرنے والے حضرات کی مدد کرتا ہے تو کیا یہ صورت درست ہوگی؟

جواب: اس طرح کی اسکیموں سے استفادہ کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کے اندر دو چیزوں کی صلاحیت اور اس کی دو مختلف حیثیتیں ہوں، جیسے: ولایتِ نکاح کا ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی صغیرہ لڑکی کا ولی اس کا چچازاد بھائی ہو اور وہ چچازاد بھائی اپنی چچازاد بہن سے نکاح کرلے تو جائز ہے، یہاں اس کی دو حیثیتیں بتلائی گئی ہیں:

فیکون أصیلاً من جانب، ولیامن جانب أخر(٤٧).

وہ ایک جانب سے اصیل (بذاتِ خود) ہوتا ہے، جب کہ دوسرے جانب (لڑکی کی جانب) سے وکیل۔

اس طرح کی واضح مثال حدیث شریف میں وارد ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

أُتی النبی ﷺ بلحم، فقیل: تصدق علی بریرة، قال: ھولھا صدقة، ولنا ھدیة(٤٨).

آں حضرت ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا اور بتلایا گیا کہ یہ بریرہ کو صدقہ کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اس کے لئے صدقہ اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

اس حدیث کے ضمن میں علامہ نورالدین سندیؒ لکھتے ہیں:

(ولناھدیة) فبین أن العین الواحدة یختلف حکمھا باختلاف جھات الملك(٤٩).

(اور ہمارے لئے ہدیہ ہے) اس میں واضح کیا کہ عینِ واحد کا حکم

---

(٤٧) اللباب فی شرح الکتاب، کتاب النکاح: ٢٥٩/١

(٤٨) بخاری، باب قبول الھدیة، حدیث نمبر: ٢٥٧٧، نسائی، باب خیار الأمة، حدیث نمبر: ٣٤٤٧

(٤٩) حاشیة السندی علی النسائی: ١٦٢/٦

جہتِ ملک کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔

آپ ﷺ پر صدقہ حرام تھا، اسی لئے آپ صدقہ قبول نہیں کرتے تھے، حضرت بریرہؓ پر حرام نہیں تھا، اس لئے ان کے پاس صدقہ بھیجا گیا تھا، آں حضرت ﷺ کے گوشت کے اس صدقہ والے تحفہ کو پیش کیا گیا، جو اصل کے اعتبار سے آپ کے درست نہیں تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے جہتِ ملک کے بدلنے سے حکم کے بدلنے کی بات بتلائی اور فرمایا کہ یہ ہمارے حق میں (حضرت بریرہؓ کی طرف سے) ہدیہ ہے، علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

المتصدق عليه زال عنها وصف الصدقة، وحلت لكل واحدممن كانت الصدقة محرمة عليه(٥٠).

متصدق علیہ سے صدقہ کی صفت ختم ہوگئی اور ہر اس شخص کے لئے جائز ہوگیا جس پر صدقہ حرام تھا۔

مذکورہ مسئلہ کی مزید وضاحت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ایک فتوے سے ہو رہی ہے:

عن ابن مسعود أنه سئل عمن له جاريأكل الربا علانية، ولايتحرج من مال خبيث يأخذه يدعوه إلى طعام، قال: أجيبوه ، فإنما المهنألكم، والوزرعليه(٥١).

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا کہ جس کا پڑوسی علانیہ سود کھاتا ہو اور مال خبیث لینے میں ہچکچاتا نہ ہو، وہ (اگر) کھانے کی دعوت کرے (تو کیا کرنا چاہئے) انھوں نے جواب میں فرمایا: اسے جواب دو کہ تمہارے لئے خوش گوار ہے اور گناہ

(٥٠) شرح أبی داود، باب فی فقيريهدی إلی غنی من الصدقة، (حدیث نمبر: ١٧٧٥): ٤٠٨/٦
(٥١) جامع العلوم والحكم لابن رجب الحنبلی، ص: ٧١

اُس پر ہے۔

مذکورہ عبارات سے یہ بات آشکار ہوگئی کہ اس طرح کی حکومتی اسکیم سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہے، ہذا ما عندی، واللہ أعلم بالصواب، وعلمہ أتم وأحکم!!

خلاصۂ بحث

☆ بینک میں جمع کی جانے والی رقوم کی حیثیت امانت کی ہے، جو فقہی اعتبار سے قرض کے معنی میں ہے۔

☆ بینک میں جمع شدہ رقوم کی حیثیت قرض کی ہونے کی وجہ سے بینک کا اس میں تصرف کرنا درست ہے۔

☆ قرض دینے والا اپنے کل یا بعض قرض کو معاف کرسکتا ہے۔

☆ قرض خواہ واپسی کی شرط کے ساتھ ہو یا معافی کے ساتھ، دونوں صورتوں میں لینے کی گنجائش ہے۔

☆ زیادتی کی شرط کے بغیر اضافی رقم کے ساتھ قرض کی واپسی جائز ہی نہیں؛ بل کہ مستحسن ہے۔

☆ قرض کی واپسی میں زیادتی کی شرط لگانا درست نہیں۔

☆ زیادتی کی شرط کے ساتھ قرض لینا شدید ضرورت کے وقت درست ہے، جب کہ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو۔

☆ کسی شخص سے قرض لینے کی صورت میں سروس چارج کے نام سے اضافی رقم لینا عام حالت میں درست نہیں؛ البتہ خاص حالت (جیسے: پیسے لانے کے لئے کہیں جانا پڑے یا آج کل لمبی لائن لگانی پڑے) میں درست ہے۔

☆ بینک یا ادارہ سے قرض لینے کی صورت میں سروس چارج کے نام سے اضافی رقم لینا درست ہے۔

☆ بینک یا ادارہ سے قرض لینے کی صورت میں اضافی رقم سروس چارج کے نام سے تو نہ لے؛ البتہ اس کی مقدار سروس چارج کے برابر ہی ہو تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا، اگر سروس چارج سمجھا جاتا ہو تو سروس چارج کا حکم لگے گا، ورنہ نہیں۔

☆ حکومت کی طرف سے دئے جانے والے قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط غیر معمولی ہو تو سود میں شمار ہوگا۔

☆ چھوٹ کی رقم اضافی رقم سے زیادہ یا اس کے مساوی ہو تو سود میں شمار نہ ہوگا، تاہم چھوٹ کی رقم اضافی رقم سے کم ہونے کی صورت میں سود شمار ہوگا۔

☆ حکومت کی طرف سے مکمل امداد کے طور پر ملنے والے رقوم کا حصول اور ان کا استعمال دونوں درست ہیں۔

☆ امدادی رقوم کے حصول کے لئے واسطہ بننے والے لوگوں کو محنتانہ دینا اور ان کا لینا دونوں درست ہیں۔

☆ حکومت کی کسی اسکیم کے لئے نام کا اندراج یک گونہ ملکیت ہے۔

☆ بیع کے علاوہ دوسری چیزوں میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے؛ اس لئے واسطہ بننے والوں کو حاصل ہونے والی رقوم کا ایک حصہ دینے اور لینے کی بات کرنا درست ہے۔

☆ جزء عمل کو اجرت بنانا درست ہے۔

☆ رشوت لینا اور دینا دونوں بہ اجماع امت حرام ہیں؛ البتہ حق کے حصول اور دفع ظلم وضرر کے دینے کی گنجائش ہے۔

☆ حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقوم کے حصول کے لئے غلط بیانی سے کام لینا درست نہیں ؛البتہ مستحق ہونے کے باوجود نہ مل پانے کی صورت میں غلط بیانی کی جا سکتی ہے۔

☆ تعلیم کے لئے قرض دلا کر حکومت کا اپنی طرف سے اضافی رقم ادا کرنے والی اسکیم سے فائدہ اٹھانا درست ہے کہ یہ حکومت کی طرف سے تعاون ہے۔

☆ تعلیم کے لئے قرض دلا کر حکومت کا اپنی طرف سے اضافی رقم کا بڑا حصہ ادا کرنے والی اسکیم سے فائدہ اٹھانا اس وقت درست ہے، جب کہ یہ تعلیم فرض کفایہ کے درجہ میں ہو اور علاقہ میں کوئی دوسرا اس کی ادائے گی کے لئے نہ ہو۔

☆ تعلیم کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے قرض دلا کر حکومت کا اپنی طرف سے اضافی رقم ادا کرنے والی اسکیم سے فائدہ اٹھانا بھی درست ہے۔

☆ تعلیم کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے قرض دلا کر حکومت کا اپنی طرف سے اضافی رقم کا ایک بڑا حصہ ادا کرنے والی اسکیم سے فائدہ اٹھانا اس وقت درست ہے، جب کہ ''ضرورتاً'' ہو، ورنہ نہیں۔

☆ حکومت کا ایک محفوظ فنڈ قائم کر کے بینک میں ڈپوزٹ کرنے اور اس سے ملنے والے سود سے اداروں یا اشخاص کا تعاون کرنے والی اسکیم سے فائدہ اٹھانا درست ہے کہ یہ ''**لها صدقة ولنا هدية**'' کے قبیل سے ہے، ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب!!!

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا فیصلہ

اس سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا فیصلہ بھی قارئین کے سامنے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، جواس نے اپنے چھبیسویں فقہی سیمینار منعقدہ اجین بتاریخ:۵-۷/ جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۴-۶ مارچ ۲۰۱۷ء میں کیا تھا، یہ فیصلہ حسب ذیل ہے:

۱- وہ سرکاری قرضے، جن کا کچھ حصہ معاف کر دیا جاتا ہے اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے، ایسے قرضوں کا لینا جائز ہے۔

۲- وہ قرضے، جن میں ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے، ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، ایسے قرضوں کا لینا بھی درست ہے۔

۳- وہ قرضے، جن میں مقررہ مدت کے بعد قرض واپس کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے، ایسے قرضے بلاضرورت شدیدہ لینا جائز نہیں ہے۔

۴- وہ قرضے، جن کی واپسی پر اصل سے زائد رقم ادا کرنی پڑتی ہو، وہ ناجائز ہے؛ البتہ اگر وہ دیندار ماہرین کی رائے کے مطابق اس جیسے عمل کے لئے واقعی سروس چارج کہلانے کے لائق ہو اور کسی طرح بھی سود لینے کا حیلہ نہ ہو تو لینے کی گنجائش ہے۔

(نوٹ: قرض پر زائد رقم کا حصول اگر چہ قلیل و معمولی ہو، درست نہیں، سروس چارج کا معاملہ الگ ہونا چاہئے، خورشید انور اعظمی)

۵- قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے، وہ رقم سود ہے اور عام حالات میں ایسا قرض لینا جائز نہیں ہے۔

۶- مکان یا بیت الخلاء کی تعمیر یا تعلیمی ضروریات وغیرہ کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے امداد کی جو رقم ملتی ہے، اس کو حاصل کرنا اور اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

۷- گورنمنٹ کی طرف سے رقم حاصل کرنے میں اگر کسی کو واسطہ بنایا جائے، جو ان کے حصول کے لئے تگ و دو اور جد و جہد کرتا ہے تو اس کو بطور محنتانہ مقررہ اجرت کا لین دین درست ہے۔

۸- امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے جو شرائط و معیارات حکومت کی طرف سے متعین ہوں، اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

۹- تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت نے عوام کو بینک سے قرض دلائے اور اس پر عائد ہونے والی زائد رقم خود مقروض کو ادا نہ کرنا پڑے؛ بل کہ خود حکومت ادا کرے تو اس طرح کا قرض لینا درست ہے۔

۱۰- جن اسکیموں میں حکومت نے محفوظ فنڈ قائم کر کے اس کو بینک میں ڈپازٹ کر دیا اور اس کے انٹرسٹ سے حاصل شدہ رقم کا مالک ہو کر تعلیمی ورفاہی اداروں اور افراد و اشخاص کا تعاون کرتی ہے، ایسی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔

۱۱- دوسری قومی اکائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی سرکاری خزانہ میں حق ہے؛ اس لئے سرکاری اسکیموں سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہئے، بہ شرطیکہ کوئی شرعاً محظور (ممانعت) نہ ہو۔

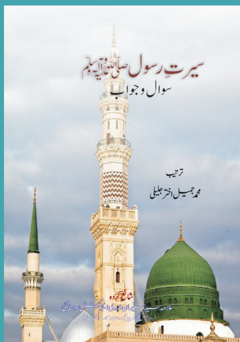
۱۲- شرکاء سمینار مسلم دانشوروں اور اداروں کے نمائندوں اور ذمہ داروں کو توجہ دلاتے ہیں کہ سرکاری جائز اسکیموں کا لوگوں میں زیادہ سے زیادہ تعارف کرائیں اور بلا معاوضہ ممکنہ تعاون کی صورت پیدا کریں۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۲۶۹-۲۷۰)

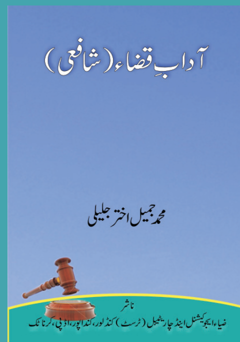
مصادرومراجع

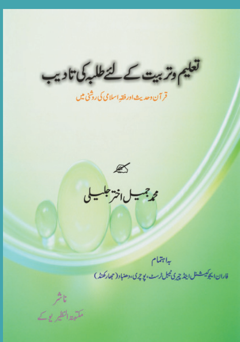
نمبرشمار	اسمائے کتب	نمبرشمار	اسمائے کتب
١	القرآن الكريم	١٦	شرح النووی علی مسلم
٢	صحيح البخاری	١٧	حاشية السندی علی صحيح البخاری
٣	صحيح مسلم	١٨	فيض الباری للكشميری
٤	ابوداود	١٩	شرح أبی داودللعينی
٥	نسائی	٢٠	جامع العلوم والحكم لابن رجب
٦	مؤطاامام مالك	٢١	إحياء علوم الدين
٧	مسنداحمد	٢٢	شرح فتح القدير
٨	مصنف ابن ابی شيبه	٢٣	ردالمحتار
٩	سبل السلام	٢٤	البحرالرائق
١٠	جامع الأصول فی أحاديث الرسول	٢٥	دررالحكام
١١	بلوغ المرام	٢٦	المبسوط للسرخسی
١٢	مسندابی يعلیٰ	٢٧	الجامع الصغير
١٣	شرح السنة للبغوی	٢٨	الفتاوی الهندية
١٤	عمدة القاری	٢٩	الفتاوی البزازية
١٥	شرح صحيح البخاری لابن بطال	٣٠	الجوهرة النيرة

٣١	الدرالمختار		
٣٢	بدائع الصنائع		
٣٣	اللباب فی شرح الکتاب		
٣٤	الاشباہ والنظائر		
٣٥	غمزعیون البصائر		
٣٦	الموسوعة الفقهية		
٣٧	مجموعة رسائل لابن عابدين		
٣٨	تطويرالأعمال المصرفية		
٣٩	نظرية القرض فی الفقه الإسلامی		
٤٠	البنك الإسلامی ومجالات عمله		
٤١	فتاوی محمودیہ		
٤٢	فتاوی رحیمیہ		
٤٣	اسلام اور جدید معیشت وتجارت		
٤٤	نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے		

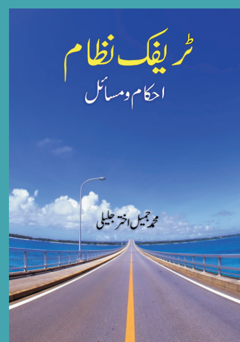
مؤلف کی دیگر کتابیں



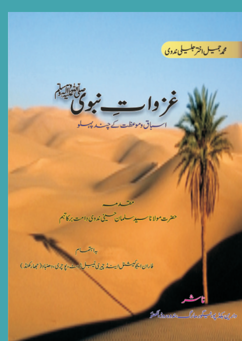












دارین بک ڈپو، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ